حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ

Investigation into Objections by the Orientalists on Ḥadīth

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری*

Abstract

Orientalism has contested meanings and coonotations even in today's world. For presenting distorted images of Islam in many instances it is still regarded as dangerous and irritated by some. The concocted images and eulogisations of disruptive and blurred vision of Islam by earlier Orientalists and their modern followers, especially of its fundamental sources and personalities are either based on malicious and erroneous quotations or are fabrications. Ḥadīth, the second legislative source of Islamic after the Qur'ān came under the special fire of Orientalists when they started its criticsm from the 13th century on to the 19th century. Muslim intelligentsia, however, effectively responded to the accusations and cleared the doubts created about the authenticity of ḥadīth. In this continuation, the present paper aims to highlight the salients of criticisms of Ḥadīth by some famous Orientalists and investigates the matter in the light of authentic historical sources for the benefit of all.

Keywords: Orientalism and Ḥadīth, Ignaz GoldZiher, Joseph Schacht, Arthur Jeffery, Pfannmuller, Encyclopaedia Britannica, H.A.R Gibb, John Bagot Glubb, Philip K. Hitti.

انیسویں اور بیسوی صدی میں مستشرقین نے قرآن کریم، اسلامی ادب، تاریخ اور دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ حدیث کو بھی موضوع بحث بنایا۔اس بارے میں پہلی کوشش گولڈزیہر (GoldZiher) نے کی جس نے اپنی ریسرچ "Muslim Studies"کے نام سے مکمل کی۔عصر حاضر کے مستشرقین کے یہاں اس کی تصنیفات اور مضامین ایک اہم مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ گولڈزیہر کی پیروی میں پروفیسر گیوم (Guillaume)نے اپنی تصنیف "The Traditions of Islam"میں گولڈزیہر اور مارگولیتھ(Margoliouth)کی پیروی میں ان کے خیالات کو مزید پروان چڑھایااور قانونی احادیث کو موضوع بحث بنایا۔ جرمن مستشرق شاخت(Schacht) کی ریسرچ پر ایک مستشرق پروفیسر گب(Gibb) نے اگرچہ تنقید کی تا ہم اس کا لب و لہجہ بھی حدیث کے مخالف ہی رہا۔ان کے علاوہ ڈیورنٹ(Durant) ، آرتھر جیفری (Arthor Jafery)، منٹگمری واٹ(Montgomery Watt)، ہوروفتیش(Horowitz) ، وان کریمر(Von Kremer)، کیتانی(Catani) اور نکلسن(Nicolson) نے بھی حدیث کے متعلق اپنے اپنے مخالفانہ نظریات پیش کئے[1] ۔

دیگر مستشرقین نے نقد حدیث سے بھی آگے بڑھ کر انکار حدیث کی داغ بیل ڈالی ہے، حدیث کے سلسلے میں ہر بات اور ہر پہلو کو غلط زاویوں سے دیکھا اور سوچا ہے لیکن حدیث کے بارے میں ان سب میں سے زیادہ وسیع علم یہودی مستشرق گولڈز ہیر رکھتا ہے حتٰی کہ اس کو شیخ المستشرقین کے لقب سے نوازا گیا ہے۔اس نے اپنی تصنیف دراسات اسلام میں حدیث کے ارتقاء پر بحث کی ہے۔اس بحث نے اسے حدیث کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا کر دیا ہے جس کے

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوجز، اسلام آباد

نتیجہ میں اس نے حدیث پر بہت سے اعتراضات کئے ہیں۔ مستشرقین نے مسلمانوں کو دین اسلام سے بد ظن کرنے کے لئے حدیث نبوی کو ہدف طعن و جرح بنایا۔ اس کا نام انہوں نے اپنی اصطلاح میں "آزادانہ بحث و نظر" رکھا[2]۔ ذیل کی سطور میں حدیث کے بارے میں مستشرقین کے نظریات اور اعتراضات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ا۔ احادیث قابل حجت نہیں

مستشرقین نے حجیت حدیث پر مختلف طریقوں اور زاویوں سے اعتراضات کیے ہیں، تا کہ اس کے بارے میں مختلف شکوک و شبہات پیدا کر کے مسلمانوں کا اس پر اعتماد ختم کر سکیں، وہ کبھی احادیث کو پہلی اور کبھی دوسری صدی ہجری میں اسلام کے دینی، تاریخی اور اجتماعی ارتقاء کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور کبھی یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ حدیث کا آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ کہ احادیث سیاسی مقاصد کے لئے وضع کی گئی ہیں۔ مشہور مستشرق گولڈزیہر حدیث کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

> "The word ╓adīth means tale communication, not only are communications among those who have embraced the religious life called ╓adīth, but also historical information whether secular or religious and whether of times long past or of more recent events."[3]

> لفظ حدیث کا مطلب کہانی اور مواصلات یا خبر رسانی ہوتا ہے صرف ان لوگوں کے درمیان مواصلات نہیں جنہوں نے مذہبی زندگی کو قبول کیا بلکہ مذہبی یا غیر مذہبی ، جدید ترین یا قدیم ترین تاریخی مواصلات کو حدیث کہتے ہیں۔

گولڈزیہر کا حدیث کو صرف "Tale" اور "Communication" سے تعبیر کرنا اس کی علمی خیانت یا کم علمی کی عکاسی کرتا ہے۔ المورد (انگلش عربی ڈکشنری) کے لحاظ سے لفظ Tale کا معنی ہے: "اشاعة عن الناس الخاصة كذبة حكاية"[4] لوگوں کے مابین جھوٹی کہانی شائع کرنا۔ اور بقول مولانا عبدالحق اس کا معنی "کہانی اور قصہ" ہے۔[5] گویا کہ اس کے نزدیک احادیث کی حیثیت کہانی اور قصہ ٔ پارینہ کی ہے۔ کاش کہ گولڈزیہر محدثین کے نزدیک حدیث کا مفہوم جان لیتا، تو اس طرح کی بودی اور بے وزنی بات نہ کرتا۔

گولڈ زیہر کے نزدیک حدیث کی حیثیت تاریخی بھی نہیں ہے۔ اس بارے میں وہ کہتا ہے:

> "The Ḥadīth not only serve as a document for the history of the infancy of Islam, but rather as reflection of the tendencies which appeared in the community during the maturer stages of its development".[6]

> حدیث کو اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ کے لئے سند کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے بجائے ان کی حیثیت ان رجحانات کے عکس کی سی ہے جو کسی قوم کی ارتقاء کے بلند ادوار میں نمایاں ہوئے۔

گولڈ زیہر حدیث اور سنت کو بطور متضاد پیش کرتے ہیں۔ اکثر جگہوں پر حدیث کے لیے Tradition یعنی روایت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ شریعت اسلامی کے احکام اسلام کے عہد اول میں مسلمانوں کے نزدیک جانے پہچانے نہ تھے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا (Encyclopædia Britannica) کا مصنف مقالہ "محمد" میں احادیث پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"احادیث کا رسمی مجموعہ یا وہ قصے کہانیاں جو آپ (ﷺ) کے اقوال و افعال سے متعلق ہیں، تاریخی طور پر ناقابل اعتماد ہیں۔شاید ہی ایسا ہو کہ ان میں محمد (ﷺ) کی زندگی سے متعلق کوئی کام کی بات نظر آئے"۔[7]

فانملر (Pfannmuller) گولڈزیہر کی حدیث کے بارے میں تحقیقات کا نچوڑان الفاظ میں پیش کرتا ہے:

"گولڈزیہر احادیث نبوی کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے اپنی کتاب "دراسات محمدیہ" کے دوسرے حصے میں حدیث کے ارتقاء پر بڑی عمیق بحث کی ہے۔حدیث کے متعلق اسے جو گہری معلومات اور بے مثال ملکہ حاصل تھا اس کی بنا پر اس نے حدیث کے داخلی اور خارجی ارتقاء پر ہر پہلو سے بحث کی ہے۔ حدیث کے موضوع پر مسلسل اور عمیق تحقیق نے اس کے دل میں حدیث کے متعلق شکوک پیدا کر دیے اور احادیث پر سے اس کا اعتماد ختم ہو گیا... بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ گولڈزیہر احادیث کو پہلی اوردوسری صدی ہجری میں اسلام کے دینی، تاریخی اور اجتماعی ارتقاء کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔لہذا گولڈزیہر کے نقطہ نگاہ سے حدیث کو اسلام کے دور اوّل یعنی عہدطفولیت کی تاریخ کے لئے قابل اعتماد دستاویز قرار نہیں دیا جا سکتا۔کیونکہ حدیث ان کوششوں کا نتیجہ ہے جو اسلام کے دور عروج میں اسلام کے ارتقاء کے لئے کی گئیں۔ گولڈزیہر اس بات پر بڑے پر زور دلائل پیش کرتا ہے کہ اسلام متحارب قوتوں کے درمیان ارتقائی منازل طے کرتا ہوا منظم شکل میں رونما ہوا۔وہ حدیث کے تدریجی ارتقاء کی بھی تصویر کشی کرتا ہے اور ناقابل تردید دلائل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ حدیث کس طرح اپنے زمانے کی روح کا عکس تھا اور کس طرح مختلف نسلوں نے احادیث کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کیا اور کس طرح اسلام کے مختلف گروہ اور فرقے اپنے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے مؤسس اسلام کا سہارا لیتے تھے۔اور کس طرح انہوں نے ایسی باتوں کو اپنے رسول (ﷺ) کی طرف منسوب کیا جو ان کے موقف کی حمایت کرتی تھیں۔"[8]

آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) حدیث کے بارے میں اپنا نقطہ نظر یوں بیان کرتا ہے:

"After the prophet's death, howevr, the growning community of his followrs found that a great many problems of religion, and even more of community life, were arising for which there was no specific guidance in the Qur'ān. Guidance was therefore sought in the Traditions, Ḥadīth, as to what the prophet had said and done, or was reported to have said and done. This vast accumulation of genuine, partly genuine, adn quite spurious traditions was presently digested into the collections of Ḥadīth, six of which are considered to be the canonical collections. But as these canonical collections were primarily concerned with material of juristic nature, it folows that much material of importance for the religion of Islam had do be drawn from the other, uncanoncial collections. It was well known to Muslims that much of the ḥadīth material was spurious. But for

the study of Islam even those traditions which the community invented and attributed to Muhammad have their value, often as much value as those which may actually have come from him".[9]

تاہم پیغمبر (ﷺ) کے انتقال کے بعد، ان کے پیروکاروں کی بڑھتی ہوئی جماعت نے محسوس کیا کہ مذہبی اور معاشرتی زندگی میں بے شمار ایسے مسائل ابھر رہے ہیں جن کے متعلق قرآن میں کوئی راہنمائی موجود نہیں، لہذا ایسے مسائل کے متعلق راہنمائی حدیث میں تلاش کی گئی۔ احادیث سے مراد وہ چیزیں ہیں جو پیغمبر (ﷺ) نے اپنی زبان سے کہیں یا آپ ان پر عمل پیرا ہوئے۔ یا وہ چیزیں جن کے متعلق کہا گیا کہ وہ پیغمبر (ﷺ) کے اقوال یاافعال ہیں۔ صحیح، جزوی طور پر صحیح اور جعلی احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ حدیث کی کتابوں میں جمع کر دیا گیا۔ حدیث کے چھ مجموعوں کو مستند تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ کتب صحاح میں زیادہ تر وہ احادیث تھیں جن کا تعلق فقہی مسائل سے تھا، اس لئے اکثر دیگر مذہبی اہمیت کے معاملات کے لئے غیر مستند مجموعوں کی احادیث پر اعتماد کرناضروری تھا۔ اس بات کا مسلمانوں کو اچھی طرح علم تھاکہ حدیث کا اکثر مواد جعلی ہے، لیکن اسلام کے مطالعہ کے لئے ان احادیث کی بھی اہمیت تھی جو مسلمانوں نے خود گھڑی تھیں اور انہیں محمد (ﷺ) کی طرف منسوب کر دیا بلکہ ایسی موضوع احادیث کو بعض اوقات ان احادیث جیسی اہمیت دی جاتی ہے جو سچ مچ پیغمبر (ﷺ) سے منقول ہیں۔"

آرتھر جیفری اپنی اس تحریر میں گولڈزیہر کی پیروی کرتے ہوئے یہ تأثر دینے کی کوشش کر رہا ہے کہ حدیث کا عہدرسالت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد جب نئے مسائل پیش آئے تو مسلمانوں نے ان کا حل تلاش کرنے کے لئے حضورؐ کے افعال و اقوال کا سہارا لیا، احادیث گھڑ کر آپ کی طرف منسوب کیں اور موضوع احادیث کو بعض اوقات صحیح احادیث پر فوقیت بھی دی۔

ایچ۔اے۔آر۔گب (H.A.R Gibb) کے بقول:

"Where such traditions were found to exist, it was held, the rulings they contained, explicitly or implicity, were deciseive and mandatory for all Muslims. The Sunnah (Practice) of the Prophet obviously superseded other sunnahs, and still more any specular reasoning. This argument (elaborated by the jurist al-Shāfi'ī, d 820) was clearly unchalleneable that it was per force accepted in principle by all the schools of law".[10]

یہ فیصلہ کیا گیا کہ جہاں اس قسم کی احادیث موجود ہوں ان سے جو احکام صراحۃً یا ضمناً مستنبط ہوں وہی فیصلہ کن ہوں گے اور تمام مسلمانوں کے لئے ان پر عمل کرنا ضروری ہو گا۔ پیغمبر (ﷺ) کی سنت کو دیگر تمام سنتوں اور قیاسی فیصلوں پر فوقیت حاصل ہو گئی۔ احادیث کی حجیت کے تصور کی وضاحت امام شافعی نے ایسے مدلل اورلا جواب انداز میں کی تھی کہ تمام مکاتب فکر کو اسے مجبوراً تسلیم کرنا پڑا۔

گب یہ تو تسلیم کر رہا ہے کہ مسلمانوں نے حضور ﷺ سے مروی احادیث کو تلاش کیا، لیکن وہ ساتھ ہی یہ تأثر دینے کی کوشش کر رہا ہے کہ احادیث کو حجت بعد کے مسلمانوں نے قرار دیا، یعنی عہدرسالت میں حدیث کی

ضرورت محسوس ہی نہیں کی گئی۔گب کی تحریر کو آغاز سے پڑھنے والا شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ احادیث کے متعلق مثبت رویہ اختیار کر رہا ہے۔لیکن اس کے مذکورہ بالا جملوں نے اس حقیقت سے پردہ ہٹا دیا ہے کہ وہ بھی اپنے دیگر مستشرق بھائیوں کا ہمنوا ہے۔اور وہ احادیث پر حملہ کرتے ہوئے قدرے مہذب انداز اختیار کرنے کی کوشش کر رہا ہے وگرنہ اس کا یہ کہنا کہ احادیث کی حجیت کو امت میں متعارف کرنے کا سہرا حضرت امام شافعی کے سر ہے ، اسلام کی بنیادیں ہلا دینے کے مترادف ہے۔

مستشرقین نے حدیث کی حجیت کے بارے میں جو نظریات پیش کئے ہیں، ان کے پاس ان کی کوئی دلیل نہیں وہ موضوع اور کمزور روایات کی بنیاد پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھتے ہیں۔ان کے بقول احادیث مبارکہ امت مسلمہ کی تاریخ کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا نتیجہ ہیں او رجس چیز نے حالات کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے جنم لیا ہوا، اسے شریعت اسلامیہ کا ماخذ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟اگر احادیث کی حجیت اور اہمیت کا ثبوت صرف احادیث اور تاریخ اسلام کے حوالے سے پیش کرنا پڑتا تو مستشرقین اپنے گمان کے مطابق اسے بڑی آسانی سے رد کر سکتے تھے کیونکہ انہوں نے احادیث کے بارے میں ایک مؤقف اختیار کیا ہوا تھا۔کہ وہ کسی حدیث کو کسی بھی وقت مسترد کر سکتے تھے اور کسی حدیث کو ان کے خلاف بطور ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے احادیث کی اہمیت اور حجیت کو قرآن کریم کے ذریعے بیان کر دیا ہے۔قرآن کریم کی بے شمار آیات احادیث کی اہمیت کو بیان کر رہی ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ عہد رسالت کے مسلمانوں نے احادیث کو کوئی اہمیت نہیں دی اور صدی، ڈیڑھ صدی بعد مسلمانوں کو مجبوراً احادیث کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

قرآن کریم کے متعلق مستشرقین کی ایک معقول تعداد اب یہ تسلی کرتی ہے کہ آج مسلمانوں کے پاس جو قرآن کریم ہے یہ وہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کے سامنے پیش کیا تھا اور قرون اولی کے مسلمانوں کے پاس یہ کتاب ہدایت موجود تھی۔درج ذیل قرآنی آیات کے ذریعے احادیث کی اہمیت و حجیت واضح کی جارہی ہے کیونکہ قرآن کریم کی کسی آیت کے بارے میں مستشرقین یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بعد کے مسلمانوں نے وضع کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بے شمار آیات کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ "[11]

"اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالے تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور اللہ تعالی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے"۔

اس آیت کریمہ میں محبت الہی کی دلیل آنحضرت ﷺ کی اتباع کو قرار دیا گیا ہے۔اور حضور ﷺ کی اتباع جو محبت الہی کے لئے ضروری ہے اور جو گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بھی ہے۔وہ حدیث کے بغیر ممکن ہی نہیں کیونکہ اتباع کا مفہوم ہے:

"الاتباع فی الفعل هو التأسی بعینه والتأسی أن تفعل مثل فعله علی وجهه من أجله"[12]

کسی کے فعل کے اتباع کا یہ معنی ہے کہ اس کے فعل کو اسی طرح کیا جائے جس طرح وہ کرتا ہے اور اس لئے کیا جائے کیونکہ وہ کرتا ہے۔

لہٰذا آنحضرت ﷺ نے جو کام کیے ہیں وہ اسی طرح کیے جائیں جس طرح آپ ﷺ نے کیے اور حدیث آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کو بجا لانے کا نام ہے۔ قرآن کریم کے اس ارشاد پر عمل کرنے اوراس میں جن انعامات کا ذکر ہے ان کو حاصل کرنے کے لئے ہم احادیث کے محتاج ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کے اس فرمان پر احادیث کے بغیر عمل کرنا ممکن نہیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال کا علم صرف احادیث سے ہی ملتا ہے۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم ہے اللہ کی اطاعت تو قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کر کے کیا جا سکتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی اطاعت صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب آپ ﷺ کے اقوال ، افعال وغیرہ کی تفصیلات سامنے ہوں یہ تمام تفصیلات احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم کے اس حکم پر احادیث کے بغیر عمل کرنانا ممکن ہے۔ ارشادباری تعالیٰ ہے:

"وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُو"[13]

"جو تمہیں رسول ﷺ دیدے اسے لے لو اور جس سے منع کردے اس سے باز آجاؤ۔ اس آیت کریمہ میں آنحضرت ﷺ کے اوامر کو بجا لانے نواہی سے رکنے کا حکم ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے اوامر و نواہی کا علم احادیث کے بغیر ممکن نہیں ہے"۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ"[14]

"اے ایمان والو اللہ اور رسول ﷺ سے آگے مت بڑھو اور اللہ کا تقوی اختیار کرو بیشک اللہ تعالے سننے والا اور جاننے والا ہے"۔

علامہ ابن جریر اس آیت کریمہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:۔

"جب کوئی شخص اپنے امام یا پیشوا کے حکم کے بغیر خود ہی امر و نہی کے نفاذ میں جلدی کرے تو اہل عرب کہتے ہیں۔ فلان يقدم بين يدى امامه"[15] (فلاں شخص اپنے امام کے آگے آگے چلتا ہے۔)

حافظ ابن کثیر نے حضرت ابن عباس کے قول سے اس کی تفسیر کی ہے۔ آپ کا قول ہے:

"لا تقولوا خلاف الكتاب والسنة"[16]

"کتاب و سنت کی خلاف ورزی نہ کرو" ۔

اہل ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھیں۔ آگے بڑھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ کتاب و سنت کی خلاف ورزی نہ کریں لہٰذا جہاں قرآن کریم کی اتباع ضروری ہے اور اس کی خلاف ورزی جائز نہیں اس طرح آنحضرت ﷺ کی اتباع ضروری ہے۔ اور آپ ﷺ کی اتباع بغیر احادیث کے ممکن نہیں۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالی کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اتباع، اطاعت ، اور ان کے حکم کو ماننا لازم قرار دے دیا گیا ہے۔کیونکہ اطاعت رسول ﷺ محبت الہی ، اخروی کامیابی اور ایمان و اعمال صالحہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔اور اطاعت رسول ﷺ کے لئے ہم آپ ﷺ کے افعال و اقوال کے محتاج ہیں اور آپ ﷺ کے افعال و اقوال اور تقریرات کا نام ہی حدیث ہے۔احادیث کی اہمیت و ضرورت صرف انہی آیات پر عمل کرنے تک محدود نہیں جن میں براہ راست آنحضرت ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔بلکہ لا تعداد اسلامی احکام پر حضور ﷺ کی عملی یا قولی راہنمائی کے بغیر عمل کرنا ممکن نہیں مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ ، حج وغیرہ میں تمام تفصیلات احادیث سے ہی ملتی ہیں۔ارشاد خداوندی ہے ۔

"وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ"[17]

"اور ہم نے تمہاری طرف ذکر (قرآن کریم) نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے لئے کھول کر بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے"۔

گویا وحی جلی (قرآن کریم)کے ذریعے جو احکام نازل ہوئے ہیں وحی خفی (احادیث) کے ذریعے ان کی تفصیل اور تشریح بیان کر دی جاتی ہے علاوہ ازیں قرآن کریم کی بے شمار آیات کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جب کوئی رسول مبعوث فرماتا ہے تو اسے صرف کتاب ہی عطا نہیں کرتا بلکہ کتاب کے ساتھ ساتھ اسے حکمت بھی عطا کرتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ"[18]

"اور جب الل تعالیٰ نے انبیاء سے یہ عہد لیا تھا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس موجود چیز کی تصدیق کرے تو تمہارے لئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے"۔

قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ منصب رسالت کے بارے میں اس حقیقت کو واضح کر رہی ہے کہ رسول جب مبعوث ہوتا ہے تو صرف کتاب لے کر ہی نہیں آتا بلکہ اس کتاب کی تعلیمات کی وضاحت کے لئے اسے بارگاہ الٰہی کی طرف سے حکمت بھی عطا ہوتی ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ"[19]

"اور اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو وہ کچھ سکھا دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے"۔

نیز فرمان باری تعالیٰ:

"وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ"[20]

"اور یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں"

قرآن کریم ہمیں صرف یہ نہیں بتاتا کہ حکمت کتاب کے ساتھ نازل ہوتی ہے بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ شانہ نبوت میں کتاب کے ساتھ ساتھ حکمت کی تلاوت بھی ہوتی ہے۔قرآنی اصطلاح میں حکمت سے کیا مراد ہے اسے سمجھنے کے لئے اس کا مفہوم جاننا ضروری ہے۔صاحب تاج العروس حکمت کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔

"الحکمة العدل فی القضاء والعلم بحقائق الأشياء على ما عليه والعمل بمقتضاه ولهذا انقسمت الى علمية و عملية"[21]

"کسی جھگڑے کا عادلانہ فیصلہ کرنے کو حکمت کہتے ہیں اور اشیاء کی صحیح حقیقت کو جان لینا او اس (صحیح علم) کے مطابق اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔اس لئے حکمت کی دو اقسام ہیں حکمت علمی (یعنی اشیاء کی ماہیت و حقیقت کا صحیح علم) اور حکمت عملی (یعنی اس صحیح علم کے مطابق عمل کرنا)"۔

گویا کہ حکمت سے مراد حکمت کتاب ہے یعنی کتاب (قرآن کریم) میں جو احکام و ارشادات ، اوامر و نواہی، دروس و عبر، پندو نصائح مذکور ہیں ان کی ماہیت و حقیقت کا صحیح علم اور ان پر صحیح عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر رسول کو کتاب کے ساتھ عطا کیا جاتا ہے۔اس طرح آنحضرت ﷺ کو بھی اپنی کتاب کا علم و عمل اللہ تعالیٰ نے ہی مرحمت فرمایا اور یہی آپ ﷺ کا علم و عمل ہے جو قرآنی اصطلاح میں حکمت کہلاتا ہے اور جسے حدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔[22]

معلوم ہوا کہ حکمت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل ہے جس طرح قرآن ہے اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہت سی احادیث میں اشارہ کیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

"ألا نی أوتيت الكتاب ومثله معه"[23]

"خبردار مجھے کتاب اور اس کے ساتھ اس کی مثل (حدیث) عطا کی گئی ہے"۔

علاوہ ازیں بعض مستشرقین کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں ہی مسلمان حدیث پر عمل پیرا تھے اور بعد کے مسلمانوں تک آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال اور تقریرات قابل اعتماد ذرائع سے منتقل ہوئے۔

فلپ۔کے۔ہٹی احادیث کے بارے میں اظہار خیال کرتا ہوا کہتا ہے:

"Throught out his lifetime Muhammad served as God's spokesman, thereby performing the triple function of legislation judge, and executive.The usage of prophet (sunnah,"custom", "use") including his deeds, utterances and tacit approval was available. It clarified the scriptural text, eleborated on it, supplemented it, and thus fulfilled new demands. The prophetic sunnah became in the first century after the hijrah the object of intensive study, next to the study of the Koran itself, the research involved collection, verification and recording".[24]

"محمد(ﷺ) نے اپنی پوری زندگی خدا کے خلیفہ کی حیثیت سے اپنے فرائض سر انجام دیئے اس طرح وہ ایک قانون ساز' جج اور منتظم کے سہ گونہ فرائض سر انجام دیتے رہے۔(آنحضرت ﷺ کے بعد) آپ کی سنت یعنی آپ کی عادات، آپ کا طریقہ کار، آپ کے اقوال، آپ کے افعال اور آپ کی تقریرات دستیاب تھیں۔یہ چیزیں وحی کے متن کی تبیین اور تفسیر کرتیں اور اس طرح نئے تقاضوں

کو پورا کرتی تھیں۔ہجرت کے بعد کی پہلی صدی میں احادیث قرآن کریم کے بعد زبردست تحقیق اور مطالعہ کا موضوع قرار پائیں۔احادیث کی تحقیق میں احادیث کو جمع کرنے ان کی جانچ پڑتال کرنے اور ان کو ریکارڈ کرنے کے مقاصد کو پیش نظر رکھا گیا"۔

فلپ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں آپ کے اقوال کی تشریحی حیثیت اور احادیث کو قرآن کریم کے بیان اور تفسیر ہونے کو تسلیم کر رہاہے۔ ہجرت کے بعد پہلی صدی میں احادیث پر زبردست تحقیقات کا اقرار کرتا ہے اس کے مطابق اس دور میں احادیث کو جمع کر کے انہیں پرکھا گیا اور انہیں ریکارڈ بھی کیا گیا۔ یہ تمام باتیں دیگر مستشرقین کے مزعومات کے خلاف ہیں اور یہ باتیں احادیث کی اہمیت اور ان کی حفاظت کے لئے کی جانے والی کوششوں کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

جان بیگٹ گلب (John Bagot Glubb) لکھتا ہے:

"There were many minor legal and administrative problems to settle, his decisions in which were passed down in Muslim tradition and became unchanging laws for hundreds of millions of millions of persons, for centuries to com."[25]

"بہت سے کم اہمیت کے قانونی اور انتظامی امور کا طے کرنا باقی تھا۔ایسے امور کے متعلق محمد (ﷺ) کے فیصلے اسلامی روایات کی شکل میں بعد کے مسلمانوں کی طرف منتقل ہوئے اور صدیوں تک کروڑوں مسلمانوں کے لئے ناقابل تغیر قانون کی حیثیت اختیار کر گئے"۔

یہاں مسٹر گلب کہہ رہے ہیں کہ حضور ﷺ کے فیصلے اسلامی روایات کا حصہ بنے اور کروڑوں انسانوں کے لئے ناقابل تغیر قانون بن گئے۔ جبکہ دیگر مستشرقین احادیث کو حضور ﷺ کے فیصلے یا اقوال نہیں مانتے بلکہ انہیں بعد کے مسلمانوں کی اختراع قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر مورس بکائے (Maurice Bucaille) لکھتے ہیں:

"During Muhammad's life and after his death, complementary information of legislative nature was indeed sought in the study of the words and deeds of the prophet."[26]

"محمد (ﷺ) کی زندگی میں اور آپ کے انتقال کے بعد قانونی نوعیت کی اضافی معلومات کو آپ کے افعال و اقوال میں تلاش کیا جاتا تھا"۔

احادیث کی جانچ پڑتال اور حفاظت کے متعلق مسلمانوں کی کوششوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مسٹر بکائے لکھتے ہیں:

"Those who undertook to assemble them in collections made the kind of enquiries which are alwasy very taxing before recording accounts of past events. They nevertheless had a great regard for accuracy in their arduous task of collecting information. This is illustrated by the fact that for all of the prophet's sayings, the most venerable collections always bear the names of those responsible for the account, going right back to the person who first collected the information from members of Muhammad's family or his companions.[27]

"جن لوگوں نے احادیث کو مجموعوں میں مرتب کرنے کا بیڑا اٹھایا، انہوں نے احادیث کی جانچ پڑتال کے لئے وہ طریقے اختیار کئے جن کو تاریخی واقعات کو قلمبند کرنے سے پہلے اختیار کرنا بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔ احادیث جمع کرنے کے کٹھن کام میں روایات کی صحت ہمیشہ پورے احترام سے ان کے پیش نظر رہی۔ اس بات کا ثبوت اس حقیقت سے ملتاہے کہ مسلمانوں کے ہاں احادیث کے جو مجموعے زیادہ مستند ہیں ان کی تمام احادیث کی اسناد صحابہ کرام یا اہل بیت عظام تک متصل ہیں"۔

درج بالا اقتباسات احادیث کے متعلق مستشرقین کے مذکورہ دعویٰ کی نفی کر رہے ہیں۔ان دلائل اور حقائق کی روشنی میں مستشرقین کے حدیث کے بارے میں مفروضہ کہ "دور اول کے مسلمانوں کو نہ حدیث کی ضرورت پڑی اور نہ ہی انہوں نے حدیث کو کوئی اہمیت دی اور یہ کہ حدیث میں معاشرہ کی عادات شامل ہو چکی تھیں"۔بالکل غلط اور بے بنیاد ٹھہرتا ہے۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ اسلام کے کسی دور میں بھی مسلمانوں کے لئے احادیث سے بے نیاز رہنا ممکن نہیں تھا انہیں قدم قدم پر ان کی ضرورت تھی اور وہ ہر دور میں احادیث کو قرآن کریم کے بعد علوم و معارف کا سب سے بڑا سر چشمہ سمجھتے تھے۔ ثابت ہوا کہ احادیث معتبر دینی دستاویز بھی ہیں اور مستند تاریخی دستاویز بھی لہذامستشرقین کا احادیث کی حیثیت کو کلیتاً مسترد کر دینا تعصب اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔جو مستشرقین کی تحریک کے اساسی ستون ہیں۔

۲۔وضع حدیث کا الزام:

مستشرقین احادیث وضع کرنے کا الزام اولین مسلمانوں کے ذمے کتنی سحر طراز اور ادبیانہ اسلوب سے لگاتے ہیں:

"When the rapid succession of conquests led them to distant countries, they handed on these ḥadīth of the prophet to those who had not hear them by their own ears, and after his death they added many salutary sayings when were taught to be in accord with his sentiments and could therefore, in their view legitimately be ascribed to him or of whose soundness they. Where in general convinced, these ḥadīth dealt the religious and legal practices which had been developed under the prophet and were regarded as setting the norm for the Islamic world. They formed the basic material of the hadith".[28]

"جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ بڑھا اور مسلمان دور دراز ملکوں میں پہنچے تو انہوں نے ان لوگوں کو احادیث سکھائیں جنہوں نے اپنے کانوں سے نہیں سنیں تھیں اور آنحضور ﷺ کے انتقال کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کی سکھائی ہوئی باتوں میں مفید اقوال کا اضافہ کیا۔ان احادیث کا تعلق مذہبی اور قانونی امور سے ہے اور جن کی مدد سے پوری اسلامی دنیا میں نمونہ قائم کیا گیا۔انہوں نے حدیث کا اصل مواد وضع کیا جو کہ بعد میں آنے والی نسلوں میں تیزی سے بڑھا"۔

ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر نے گولڈ زیہر کا حدیث کے بارے میں نقطہ نظر یوں بیان کیا ہے:

"وهنا مسئلة جدة خطيرة نجد من الخير أن نعرض لها ببعض التفصيل وهى (وضع الحديث) فى هذا العصر ولقد ساد لى وقت قريب فى أوساط المستشرقين الرأى القائل بأن القسم الأكبر من الحديث

ليس الا نتيجة للتطور الدينى والسياسى والاجتماعى للاسلام فى القرنين الأول والثانى و أنه ليس صحيحا ما يقال من أنه وثيقة للاسلام فى عهده الأول عهد الطفولة ولكنه أثر من آثار جهود الاسلام فى عصر النضوج"[29]

"ایک نہایت اہم مسئلہ درپیش ہے جس پر ہم تفصیلی بحث کرنا چاہتے ہیں وہ عصر حاضر میں وضع حدیث کا مسئلہ ہے۔ تھوڑا عرصہ قبل مستشرقین کے ہاں یہ رائے غالب رہی کہ اکثر احادیث آغاز اسلام کے عہد کی دستاویز نہیں ہیں بلکہ یہ ان مساعی و جہود کا نتیجہ ہیں جو مسلمانوں نے پچھلے تاریخی ادوار میں انجام دیں"۔

ڈاکٹر مصطفی سباعی گولڈ زیہر کی اس رائے کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"اسلام کے عصر اول میں بنو امیہ اور علماء اسلام کے مابین نزاع نے نہایت خطرناک صورت اختیار کر لی تھی علماء احادیث کی جمع و تدوین میں لگ گئے جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے پاس جو احادیث موجود ہیں ان سے ان کا مقصد پورا نہیں ہوتا تو انہوں نے حسب مرضی احادیث وضع کرنے کا آغاز کیا۔ وضع کردہ احادیث روح اسلام کے منافی نہیں ہوا کرتی تھیں اس لئے وہ اپنے ضمیر کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کرتے تھے کہ ہم الحاد و دہریت اور سنت رسول سے انحراف کا مقابلہ کرنے کے لئے یہ احادیث وضع کر رہے ہیں..."[30]

ایک اور مقام پر گولڈزیہر کہتا ہے:

"We are unlikely to have even as much confidence as Dozy regarding large part of the ḥadīth. But will probably consider by for the greater part of it, as the results of religious historical and social development of Islam during the first centuries".[31]

"ہم بدقسمتی سے اتنے ہی پر اعتماد ہیں جس طرح ڈوزی حدیث کے ایک بڑے ذخیرے کے متعلق ہے۔ اس کے ایک بہت بڑے حصے کے بارے میں اندازہ لگائیں گے جیسے کہ پہلی صدی کے دوران اسلام کی سماجی ترقی اور مذہبی تحریک کے نتائج کے بارے میں"۔

ایک اور رائے جس کا اظہار گولڈزیہر نے اپنی کتاب "دراسات اسلامیہ" اور "العقیدۃ والشریعہ" میں کیا ہے۔

"علماء مدینہ اور بنو امیہ میں عداوت پائی جاتی تھی چنانچہ علمائے مدینہ نے سب سے پہلے بنو امیہ سے انتقام لینے کے لئے احادیث وضع کرنے کی بنیاد ڈالی"[32]

ول ڈیوران(Will Durant) ان احادیث کے متعلق جن میں رسول اللہ کی کسی معجزانہ شان کا ذکر ہے، یہ تبصرہ کرتا ہے:

"Many of the traditions put a new color upon the Moslem creed. Mohamad had not claimed the power of miracles, but hundreds of pretty traditions told of his wonder-working: how he fed a multitude from food hardly adequate for one man; exorcised demons; drew rain from heaven by one prayer, and stopped it by another; how he touched the udders of dry goats

and they gave milk; how the sick were healed by confect with his colothes or his shorn hair. Christian influences seem to have molded many of the traditions; love towards one's enemies was inculcated, thought Mohammad had sterner views: the Lord's Prayer was adopted from the Gospels; the parables of the sower, the wedding guests, and the laborers in the vineyard were put into Mohammed's mouth; all in all, he was transformed into an excellent Christian, despite his nine wives"[33]

"بہت ساری احادیث نے مذہب اسلام کو ایک نیا رنگ دے دیا ہے۔ محمد(ﷺ) نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ ان کے پاس معجزات دکھانے کی قوت ہے لیکن سینکڑوں احادیث ان کے معجزانہ کارناموں کا پتہ دیتی ہیں کہ کس طرح انہوں نے اس کھانے سے ایک مجمع کو سیر کیا جو صرف ایک آدمی کے لئے بمشکل کافی تھا اور کس طرح وہ جن نکالتے تھے۔ایک دعا سے آسمان سے بارش اتارتے اور دوسری دعا کے ذریعے اسے روک دیتے وہ ایک بے شیر بکری کی کھیری کو ہاتھ لگاتے اور وہ دودھ دینے لگتی۔ بیمار ان کے کپڑوں یا تراشیدہ بالوں کو چھو کر صحت یاب ہو جاتے۔یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اکثر احادیث عیسائی تعلیمات کے زیر اثر تشکیل پذیر ہوئیں۔ دشمن کے ساتھ محبت کرنے کی تعلیم دی گئی حالانکہ محمد(ﷺ) کا موقف سخت تر تھا۔خدا کے حضور دعا کا تصور بائبل سے لیا گیا۔ کاشتکار، شادی کے مہمانوں اور انگور کے کھیت کے مزدوروں کی (بائبل کی نقل میں)محمد(ﷺ) کی زبان سے ادا کروائی گئیں۔ مختصر یہ کہ نو بیویوں کے باوجود انہیں ایک بہترین عیسائی کے روپ میں پیش کیا گیا"۔

"ول ڈیوران" کا یہ اقتباس بتا رہا ہے کہ اس کی نظر میں وہ تمام احادیث جن میں آنحضرت ﷺ کی کسی معجزانہ شان کا ذکر ہے یا وہ احادیث جن میں کوئی ایسی بات بیان کی گئی ہے جو عیسائیت کے ہاں بھی متعارف تھی،ایسی تمام احادیث بعد کے مسلمانوں نے خود گھڑ کر آپ ﷺ کی طرف منسوب کی ہیں۔

شاخت صحابہ و محدثین پر وضع حدیث کی تہمت لگاتے ہوئے کہتا ہے:

"وقال أما حركة المحدثين... فی القرن الثانی فهی فی الواقع نتیجة طبیعیة لستمرار حركة المعارضة للمدارس الفقهیة القدیمة والتی كانت متأثرة بالدین والأخلاق والفكرة الرئیسیة التی كانت عند المحدثین هی أن الأحادیث المأخوذة عن النبیﷺ یجب أن تغلب علی سنن المدارس الفقهیة ولهذا الغرض اخترع المحدثون بیانات مفصلة أو أحادیث وا دعوا أنها من مرئیات أومسموعات أقوال النبیﷺ و أفعاله و تقریراته و أنها وصلت لینا شفهیا بأسانید غیر منقطعة و عن طریق رواة موثوقین و من الصعوبة بمكان أن نعتبر أی حدیث منها خاصة فیما یتعلق بالأحادیث الفقهیة صحیحاً موثوقا به"[34]

"دوسری صدی ہجری میں محدثین کے طبقہ کا وجود فقہ اسلامی کی تاریخ میں ایک بڑا اہم واقعہ تھا۔ جو درحقیقت قدیم فقہی مکاتب کے خلاف ایک رد عمل تھا۔ محدثین پر دین و اخلاق کا زیادہ اثر تھا۔اور ان کی فکرو نظر کا بنیادی تقاضایہ تھا۔ کہ رسول اللہ سے منقول شدہ احادیث کا حق یہ ہے کہ وہ فقہی احادیث پر غالب رہیں اس مقصد کے لئے محدثین نے احادیث کو وضع کیا اور یہ دعوٰی کیا کہ یہ روایات رسول

اللہ کے اقوال و افعال میں یا پھر تقریر رسول اللہ کی قسم سے ہیں اور یہ تمام روایات ان تک غیر منقطع اسانید او رمعتبر رواۃ کی زبانی پہنچی ہیں اس لیے ہمارے لئے دشوار ہے کہ فقہی احادیث میں کسی بھی حدیث کے بارے میں فیصلہ کریں کہ وہ صحیح اور معتبر ہے"۔

شاخت کی رائے میں وضع حدیث کی مدت معلوم کرنے کا آسان ترین اصول یہ ہے:

"The best way of proving that a tradition did not exist at a certain time is to show that it was not used as a legal argument in a discussion which would have made reference to it imperative, if it had existed"[35]

"کسی دور میں وضع حدیث کو ثابت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس زمانہ کے فقہاء نے اپنی بحثوں میں اس حدیث کو شامل کیا ہے یا نہیں۔ اگر حدیث کا وجود ان فقہاء کی بحثوں میں شامل نہیں ہے تو پھر یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث بعد کے دور میں وضع کی گئی"۔

شاخت کا کہنا ہے کہ اس نے حدیث کے بارے میں اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے فقہی اور قانونی احادیث سے سینتالیس مثالیں پیش کی ہیں ۔[36]

گولڈ زیہر کی زبان میں مستشرقین کے احادیث کے بارے میں مذکورہ بالا بیانات سے ان کے نقطہ نظر کو دو نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔احادیث کا ظہورو شیوع مسلمانوں کے ان دینی، سیاسی اوراجتماعی تنازعات کے نتیجہ میں ہوا جو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں رونما ہوئے۔(یعنی تمام احادیث موضوع ہیں)۔

۲۔اولین مسلمان (صحابہ و تابعین) نے وضع احادیث کی بنیاد رکھی تھی (یعنی صحابہ و تابعین نے احادیث گھڑیں۔

احادیث کے بارے میں مستشرقین کے درج بالا نکات کا دیگر ائمہ کے اقوال کی روشنی میں تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔

اول الذکر نکتہ کے بارے میں ڈاکٹر عجاج خطیب بیان کرتے ہیں:

"ان ما ادعاه من أن أكثر الحديث نتيجة للتطور غير صحيح لأن المسلمين منذ القرن الأول و من عهد الصحابة كانوايتثبتون فى قبول الأحاديث وكانوايتبعون الكذابين والوضاعين وعرفوا الأحاديث الموضوعة والصحيحة ثم ان القرآن الكريم قد جاء بالقواعد الكلية التى تناسب كل زمان و مكان ولم يتعرض للجزئيات وطرق تنفيذ ها التى يمكن أن تتبدل وتتغير حسب البيئة والزمان دون أن تؤثر على القواعد الكبرىٰ والاهداف العليا للسلام و ترك الله تعالىٰ للحكام وسائل التطبيق والتنفيذفى ظلال الكتاب والسنةوالأصول التى تليهافالمسلون من ليسوا بحاجة إلىٰ اختلاق أحاديث تبررما يقومون به نتيجة لحياتهم الجديدة فقد كناهم الله عزوجل هذا بما شرعه لهم من أسس وقواعد خالدة إلى يوم الدين" ...[37]

"ان کا یہ دعویٰ کہ اکثر و بیشتر احادیث (مسلمانوں کی) ترقی کا نتیجہ ہیں درست نہیں کیونکہ مسلمان قرن اول اور عہد صحابہ سے احادیث کو تحقیق و تثبیت کے بعد قبول کرتے تھے۔اور وہ جھوٹوں اور وضاعین کا پیچھا کیا کرتے تھے انہوں نے صحیح اور موضوع احادیث کو پہچان لیا تھا۔ پھر قرآن کریم وہ قواعد کلیہ لے آیا جو ہر

زمانے اور ہر جگہ کیلئے موزوں تھا اور وہ جزئیات اور اس کے ترک نفاذ کے درپے نہیں ہوئے جو معاشرے اور زمانے کے مطابق بدلتا رہتا تاہم جو اسلام کے بلند مقاصد اور اس کے قواعد کبریٰ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حکام کیلئے کتاب و سنت اور اس کے زیر اثر اصول کی روشنی میں وسائل تنفیذ کو چھوڑا ہے چنانچہ مسلمانوں کو پیش آمدہ نئے حالات کے لئے احادیث وضع کرنے کی ضرورت نہیں تھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی مشروع بنیادیں و قواعد قیامت تک کیلئے کافی تھیں"۔

امر واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ عالم آخرت کو تشریف لے گئے اس وقت اسلام کامل ہو چکا تھا:

"الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا"[38]

"آج کے دن میں نے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور اسلام کو ایک دین کی حیثیت سے تمہارے لئے پسند کر لیا"۔

البتہ اسلامی فتوحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل اسلام بعض ایسے حوادث سے دو چار ہوئے جن کا ذکر صراحۃً کتاب و سنت میں نہ تھا۔ مسلمانوں نے قیاس و استنباط کی مدد سے ان سے متعلق احکام وضع کر لیے۔ اس کے باوصف وہ اسلام کے دائرہ اور اس کی تعلیمات کی حدود سے باہر نہ نکل سکے۔ عصر اول میں اسلام کی پختگی ثابت کرنے کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ حضرت فاروق اعظم قیصر و کسریٰ کی حکومتوں پر قابض ہو گئے۔ یہ دونوں ملک ان دنوں تہذیب و حضارت کی اوج کمال پر فائز تھے۔ آپ نے امور سلطنت کے انتظام و انصرام میں قیصر و کسریٰ سے بڑھ کر عدل و کمال کا مظاہرہ کیا۔ اگر اسلام نا پختہ ہوتا تو حضرت عمر اس عظیم ذمہ داری سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکتے۔ اور اتنی بڑی سلطنت کا نظم و نسق کیسے سنبھال سکتے تھے۔ حالانکہ آپ کے عہد خلافت میں یہ دونوں ملک اس قدر خوشحال اور فارغ البال تھے کہ ایسا امن و سکون ان کو قیصر و کسریٰ کے عہد میں بھی نصیب نہ ہوا تھا۔

نیز یہ کہ اہل اسلام کائنات ارضی کے جن دور افتادہ گوشوں تک پہنچے تھے ان کے ہاں عبادات، معاملات اور عقائد و عادات میں کامل یگانگت پائی جاتی تھی یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب جزیرہ عرب چھوڑنے سے پہلے ان کا نظام پختہ ہو چکا ہوتا اور زندگی کے مختلف گوشوں کی بنیادیں مستحکم ہو چکی ہوتیں۔ اور اگر حدیث کی اکثریت ابتدائی دو صدیوں کے خلفشار و انتشار کا نتیجہ ہوتی تو اس کا حتمی نتیجہ یہ ہوتا کہ دنیا کے کسی ایک خطے میں بودوباش رکھنے والے مسلمان کی عبادت ایک دوسرے خطے میں رہنے والے مسلمان سے قطعی مختلف ہوتی اس لیے کہ دونوں کے آداب و اطوار اور طرز بود میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی عبادات، عقائد اور زندگی کے آداب و اطوار میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ پہلی صدی ہجری کے بعد مختلف فقہی مذاہب قائم ہو گئے تھے۔ تو بلاشبہ یہ کتاب و سنت اور ان کے فہم وادراک میں صحابہ کرام کے مختلف مکتبہ ہائے فکر پر مبنی تھے۔ جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے وہ محفوظ و متواتر تھی۔ ائمہ مذاہب میں سے جس امام نے سنت کے بارے میں کسی بات کا اظہار کیا وہ قبل ازیں کسی صحابی یا تابعی سے صادر ہو چکا تھا۔ یہ انتشار کے ظہور وشیوع سے پہلے کی بات ہے اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے

کہ مستشرق نے جو بات کہی ہے وہ کسی دلیل پر مبنی نہیں ہے انہوں نے اپنے نظریہ کے اثبات میں جو دلائل و براہین پیش کیے ہیں وہ انتہائی ناقص اور کمزور ہیں ۔[39]

گولڈ زہیر حدیث نبوی پر مزید اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"علماء کے پاس جو احادیث تھیں چونکہ ان سے ان کا مقصد پورا نہیں ہوتا تھا اس لئے انہوں نے ایسی احادیث وضع کرنا شروع کر دیں جن کو وہ پسند کرتے تھے اور وہ اسلامی روح کے منافی بھی نہ تھیں انہوں نے یہ کہہ کر اپنے ضمیر کو مطمئن کر لیا کہ وہ دہریت اور الحاد اور دینی احکام سے نفرت و بعد کا مقابلہ کرنے کے لئے احادیث وضع کر رہے ہیں" [40]

اگر علمائے مدینہ نے وضع حدیث کا آغاز کیا تھا۔تو کیا اس وقت کچھ اور علماء بھی موجو د نہیں تھے مکہ، دمشق، کوفہ، بصرہ اور دیگر اسلامی بلاد و امصادر میں حضرات صحابہ و تابعین کی کثیر تعداد تھی۔ مکہ میں اس وقت ان صحابہ کرام کو چھوڑ کر جو سب سے آخر میں فوت ہوئے، عطاء ،طاوس، مجاہد، عمرو بن دینار، ابن جریج اور ابن عیینہ جیسے لوگ تھے۔[41] بصرہ میں حسن بصری ، ابن سیرین ، ابو العالیہ ، قتادۃ، ایوب سختیانی اور ثابت البنانی بقید حیات تھے۔[42] کوفہ میں علقمہ، اسود، عمرو بن شرحبیل، مسروق، عبیدہ سلمانی، سوید بن غفلہ، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، عمروبن میمون، ابراہیم نخعی، عامر شعبی، سعید بن جبیر ، قاسم بن عبدالرحمٰن بن مسعود جیسے علماء زندہ تھے ۔[43]

شام میں ابوادریس خولانی، قبیصہ بن ذؤیب ،سلیمان بن حبیب، خالدبن معدان، عبدالرحمٰن بن غنم اشعری، عبدالرحمٰن بن جبیر اور مکحول زندہ تھے ۔[44] مصر میں یحییٰ بن ایوب، حیوۃ بن شریح، لیث بن سعد،یزید بن ابی حبیب، بکیر بن عبداللہ، عمرو بن حارث[45]، اور یمن میں وہب بن منبہ، قدامہ بن منبہ، طاووس بن کیسان، عبداللہ بن کیسان، معمر بن راشد وغیرہ بقید حیات تھے ۔[46]

یہ تھے اموی خلافت کے اکابر اہل علم ! اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ بھی وضع حدیث میں علمائے مدینہ کے ساتھ شامل تھے؟ ایسا کیسے ہوا اور کس مجلس میں جمع ہو کر انہوں نے وضع حدیث کی سازش تیا ر کی؟ اور اگر اہل مدینہ کے ساتھ شامل نہیں ہوئے تو پھر یہ خاموش کیوں رہے اور اہل مدینہ کی روایت کردہ احادیث ان سے کیونکر اخذ کرتے رہے؟ تاریخ اسلام میں یہ کہاں لکھا ہے کہ انہوں نے اس فعل پر اہل مدینہ کو معتوب کیا تھا؟ جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ علمائے امصار اہل حجاز کی روایات کو صحیح و اقویٰ تصور کیا کرتے تھے۔عبدالملک اموی علمائے مدینہ کی روایت کردہ احادیث کو صحیح تر خیال کرتا تھا۔ اس نے امام زہری کو مشورہ دیا تھا کہ انصار مدینہ سے علم حدیث اخذ کرے[47]۔اگر مدینہ کو وضع حدیث کی ٹکسال کی حیثیت حاصل تھی تو پھر ان کی مرویات کو صحیح کس طرح قرار دیا جاسکتا تھا؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک بے بنیاد دعوٰی ہے جو نقد و جرح کے معیار پر پورا نہیں اترتا ہے ۔[48]

گولڈزہیر کے اس دعوٰی کے لئے بنیاد ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس نے ابن مسیب کی عبدالملک کے ساتھ عداوت کو اس امر کا موجب قرار دیا ہے کہ اہل مدینہ سب کاذب اوراحادیث وضع کرنے والے تھے۔مگر گولڈزہیر یہ نہیں بیان کرتا کہ ابن مسیب نے اس میں کیا کردار ادا کیا؟ چاہیۓ یہ تھا کہ وہ واضعین کے سر خیل ہوتے کیونکہ

آپ ان علماء میں سے تھے جو بنو امیہ سے ناراض تھے اس نے اس ضمن میں ابن مسیب کا ذکر نہیں کیا دراصل وہ ان کو بھی وضع حدیث سے متہم کرنا چاہتا تھا۔مگر اس کی جسارت نہ کر سکا؟ اس لئے کہ اس کو کوئی ایک بھی جھوٹی روایت نہیں مل سکی جس کو گھڑنے کی نسبت وہ ابن مسیب کی طرف کر تھا۔ظاہر ہے کہ ایسی بات کہنے والا شخص ان علماء کے اخلاق جلیلہ کی بلند ی تک نہیں پہنچ سکتااور نہ وہ کذب اور افتراء سے اس حد تک پاک ہو سکتا ہے جس حد تک ان علماء کی زندگی پاک تھی۔اس شخص میں خشیت ایزدی بھی اس درجہ کی نہیں پائی جا سکتی جو ان علماء کا طرہ امتیاز تھا۔جو علماء رسول اللہ ﷺ پر افتراء پردازی کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔انہوں نے وضاعین کا کھوج لگایا اور ان کو زندیق اور فاسق قرار دیا۔بعض علماء نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والا کافر اور واجب القتل ہے اور اس کی توبہ بھی قبول نہیں[49]۔یہ کیسے ممکن ہے کہ سعید بن مسیب جیسا شخص مار کھانے اور ذلت و رسوائی کے لئے تیار ہومگر بیک وقت دو شخصوں کی بیعت اس لئے نہ کی کہ یہ خلاف سنت ہے۔پھر اس کے بعد سنت رسول کے دفاع کے لئے دروغ گوئی کو جائز قرار دے۔جو لوگ اپنے ولاۃ و حکام کے احکام اعلانیہ خلاف ورزی صرف اس لئے کرتے تھے کہ ان کے فرامین خلاف سنت تھے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ سنت میں سے ایسے احکام کا اضافہ کرنے کے لئے تیار ہوں جو رسول ﷺ سے منقول نہ ہوں انہوں نے در اصل آنحضرت ﷺ کے کلام کو وضاعین کی بھینٹ نہیں چڑھنے دیا او راس کی پوری طرح پاس داری کی مگر افسوس ہے کہ گولڈزیہر ان وضاعین کو " متقی علماء " قرار دیتا ہے۔پھر اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ کو ان کی جائے سکونت ٹھہراتا ہے۔حالانکہ مدینہ میں عالم اور متقی لوگ بودوباش رکھتے تھے۔یہاں علم و تقویٰ کا وہ مفہوم مراد ہے جو مسلمانوں کے یہاں معتبر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی نشرو اشاعت کے لئے کوشش کرنا اور وضاعین حدیث کو کیفر کردار تک پہنچانا علم و تقویٰ کا وہ مفہوم مراد نہیں جو اس کے ہاں ہے اس کے نزدیک علم و تقویٰ کے معنی جھوٹی احادیث گھڑنا اور دین اسلام کے دفاع کیلئے آپ ﷺ پر افتراء پر دازی کرنا ہے ۔[50]

باقی رہا شاخت کا وضع حدیث سے متعلق بیان کردہ اصول[51] اور اس کا کہنا کہ اس نے حدیث نبوی سے متعلق اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے فقہی اور قانونی احادیث سے سینتالیس مثالیں پیش کی ہیں ۔[52] توڈاکٹر محمد مصطفی الاعظمی نے ان احادیث کا مکمل جائزہ لیاہے۔اس بارے میں آپ رقمطراز ہیں:

"ہم نے موضوع سے متعلق چوبیس احادیث کا جائزہ لیا تو معلوم ہو ا کہ ان چوبیس احادیث میں سے صرف آٹھ احادیث ایسی ہیں جن کا تعلق فقہ سے ہے۔(یعنی بالترتیب ۴،۶،۷،۱۰،۱۷،۱۹، ۲۳، ۲۴) چھ احادیث ایسی ہیں جو رسول اللہ سے مروی نہیں ہیں اور باقی تیرہ احادیث کا تعلق عبادات سے ہے۔جن کو فقہی یا بقول شاخت قانونی حدیث نہیں کہا جا سکتا۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔کہ وہ کس طرح قطع و برید او رعلمی خیانت کے ساتھ آٹھ کو چوبیس بنا کر پیش کرتے ہیں۔اس کے باوجود جب ان کا اصل مقصود حاصل نہیں ہوتا۔تو پھر وہ اپنے ہی اصولوں کو بالائے طاق رکھ رکر دوسرے طریقوں سے مرضی کے مطابق نتائج پیش کرتے ہیں۔شاخت وضع حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ اس ضمن میں ان کی مثالوں سے دعوٰی کی صراحت

کے ساتھ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ احادیث کے راویوں کو اپنی روایت کا کسی دوسرے کے پاس موجود ہونے کا علم نہیں تھا۔اس صورت حال کو وہ استنتاج سکوتی یعنی خاموش طریقہ استدلال کی ایک قسم قرار دیتے ہیں۔ اور تائید میں کتاب الام سے امام محمد شیبانی کا یہ قول نقل کرتے ہیں"۔

"المسألة كذا الا أن يأتى أهل المدينة فيما قالوا من هذا بأثر فننقاد له وليس عندهم فى هذا أثرا يفرقون بين هذه الأشياء فلو كان عندهم جاءوا به فيما سمعنا من آثارهم"[53]

مسئلہ اسی طرح ہے بجز اس کے اہل مدینہ اپنے اس قول کی تائیدمیں کوئی قول نقل کرتے تو ہم اس کو مان لیتے ان کے پاس اس مسئلہ میں کوئی ایسا قول نہیں ہے جس سے وہ ان (مذکورہ) چیزوں کے درمیان تفریق کر سکیں۔اگر ان کے پاس کوئی قول ہوتا تو ہم ان کی جو روایات جو خدا کی ہیں ان ہی میں سے وہ اس کو پیش کرتے۔

امام محمد کے اس قول پر شاخت یہ تبصرہ کرتے ہیں :

"ہم پورے اطمینان کے ساتھ یہ فرض کر سکتے ہیں کہ ہماری زیر بحث ، فقہی احادیث مذہبی مباحث میں اس وقت شامل اور استعمال کی گئیں جب مختلف طبقوں نے اپنے اپنے مسلک کی تائید میں ان کو وضع کر کے عوام میں رائج کر دیا تھا"[54]

شاخت کے اس مفروضہ کی حقیقت جاننے کیلئے کتاب الأم کی مذکورہ عبارت ملاحظہ ہو۔

"ہر ایسی چیز جس سے غلام کے ہاتھ یا پیر زخمی ہوں ...تو اس کا معاوضہ اسی مقدار کے مطابق، غلام کی قیمت سے ہو گا... اور غلام کی تصریح میں مدینہ والے، اس کی قیمت کا بیسواں حصہ متعین کرتے ہیں۔... تو وہ امام ابو حنیفہ سے ان چار باتوں میں متفق ہیں لیکن ان چار کے علاوہ میں ان کا قول یہ ہے کہ اس کی قیمت میں کم نہیں ادا کیا جائے گا۔محمد بن حسن کہتے ہیں کہ مدینہ والوں کے لئے اس قول میں کو ئی ایسی روایت کیونکر ممکن ہے۔جس کو ہم مان لیں۔جبکہ ان کے پا س کوئی ایسی روایت نہیں ہے۔ جس سے وہ ان چیزوں کے درمیان فرق بیان کریں۔اگر انکے پاس ایسی کوئی روایت ہوتی تو وہ انہی میں سے پیش کرتے۔جن کو ہم نے ان سے سنا ہے۔تو جب واقعہ ایسا نہیں ہے تو پھر انصاف کیا جانا چاہئے تو عمل یا تو امام ابو حنیفہ کے مطابق ہو گا..."[55]

اب اس پوری عبارت کے پڑھنے سے پہلی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں کہیں قرآن مجید یا حدیث نبوی یا آثار صحابہ و تابعین کی جانب اشارہ نہیں ہے۔شروع سے آخر تک مسئلہ کا تعلق امام ابو حنیفہ کی اجتہادی رائے سے ہے۔بعض صورتوں میں فقہائے مدینہ امام صاحب کی رائے سے متفق ہیں اور بعض میں ان سے اختلاف کرتے ہیں۔لیکن شاخت کی تحقیق اس مفروضہ کے بعد نہایت مطمئن ہے کہ اس عبارت سے وضع حدیث اور زمانہ وضع حدیث متعین ہو جاتا ہے۔ شاخت کی اولین اور مضبوط ترین دلیل کا یہ عالم ہے عقل حیران ہے کہ اس قسم کی تحقیق و بحث کو کیا نام دیاجائے ۔[56]

۳۔اموی حکومت نے احادیث وضع کیں:

مستشرقین دین اسلام کی مخالفت میں اس قدر اندھے ہوگئے ہیں کہ وہ ہر طرح سے اس کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں اور کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اسلام کی مخالفت میں جھوٹ بولنا، غلط بیانی سے کام لینا، علمی خیانت کا ارتکاب کرنا غرض کہ سب کچھ ان کیلئے جائز ہے۔ معلوم دکھائی دیتا ہے کہ اس مخالفت اور تعصب نے ان کی عقل چھین لی ہے۔ پہلے پہل تو حدیث کی حجیت سے انکار کر دیا پھر انہیں آغاز اسلام کے عہد کی دستاویز کو نہ مان کر موضوع قرار دے دیا اور پھر محدثین صحابہ و تابعین اور اموی حکومت کو اس کا واضع قرار دے دیا۔ گولڈ زیہر نے حدیث کے بارے میں اپنے ان نظریات کی اساس اس خلاف و نزاع پر قائم کی ہے جو بقول اس کے اموی خلفاء اور علماء دین کے مابین برپا تھا۔ اس بارے میں اپنا تبصرہ یوں کرتا ہے:

"اس طرح اموی دور میں جب امویوں اور علمائے صالحین کے درمیان نزاع نے شدت اختیار کی تو احادیث وضع کرنے کا کام ہیبت ناک سرعت سے مکمل ہوا۔ فسق و ارتداد کا مقابلہ کرنے کے لئے علماء نے ایسی احادیث گھڑنی شروع کر دیں جو اس مقصد میں ان کی مدد کر سکتی تھیں۔ اس زمانے میں اموی حکومت نے بھی علماء کے مقابلے میں یہ کام شروع کر دیا۔ وہ خود بھی احادیث گھڑتی اور لوگوں کو بھی ایسی احادیث گھڑنے کی دعوت دیتی جو حکومتی نقطہ نظر کے موافق ہوں۔ حکومت نے بعض ایسے علماء کی پشت پناہی بھی کی جو احادیث گھڑنے میں حکومت کا ساتھ دیتے تھے۔ احادیث گھڑنے کا معاملہ سیاسی مسائل تک محدود نہ رہا بلکہ یہ آگے بڑھ کر دینی معاملات اور عبادات میں بھی داخل ہو گیا اور کسی شہر کے لوگ جن باتوں کو اپنے خیال کے مطابق نہیں سمجھتے تھے، ان کے خلاف احادیث گھڑ لیتے تھے۔ احادیث گھڑنے کا یہ کام دوسری صدی ہجری میں بھی جاری رہا"۔[57]

گولڈ زیہر کے مذکورہ بالا بیانات سے درج ذیل اعتراض سامنے آتے ہیں۔

۱۔ بنو امیہ دینی تحریف کے مرتکب ہوئے تھے۔

۲۔ اموی خلفاء نے وضع حدیث میں حصہ لیا تھا۔

ان واقعات کے رونما ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف صرف اس بات سے ہے کہ یہ واقعات جو اجتہاد کی بناء پر ان اصحاب سے خاص احوال و ظروف میں صادر ہوئے تھے، گولڈ زیہر نے ان کو اس بات کی دلیل میں پیش کیا ہے کہ اموی حکام زندگی کے آداب و اطوار کو بدل دینا چاہتے تھے۔ اور اسی لئے انہوں نے احادیث وضع کی تھیں حالانکہ یہ بات واقعہ کے خلاف ہے۔ امر واقعہ ہے کہ لوگ شروع سے لیکر آج تک دیکھتے چلے آئے ہیں۔ کہ ملوک و سلاطین اپنی زندگی کے تحفظ اور شان و شوکت کے اضافہ کے لیے یا اپنے بلاد و امصار اور عبادت گاہوں کی آرائش و زیبائش کے لیے کئی قسم کے نئے نئے کام کرتے رہے ہیں۔ کسی شخص نے سلاطین کا یہ اقدام دین کے خلاف نہیں سمجھا اور نہ ہی علماء کا حکومت کا اہل کار ہونا لازم آتا ہے۔ عصر صحابہ سے لے کر تا ہنوز ملوک و سلاطین کا یہی شیوہ رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو جمع کیا[58]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز تراویح پر اکٹھا کیا[59]۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے روز بیرون مسجد پہلی اذان کی طرح ڈالی[60]۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے مسجد نبوی میں توسیع کی[61]۔

ملوک و سلاطین مساجد کی تجدید کرتے رہے ہیں۔ نماز کے لیے مسجد کو جاتے وقت اس قسم کے حفاظتی اقدامات کرتے جس سے متوقع خطرہ ٹل جاتا۔ مگر ان کے عمل کو کسی نے بھی دین میں اضافہ اور تحریف پر محمول نہ کیا گیا۔ بخلاف ازیں جب حضرت معاویہ

رضی اللہ عنہ منبر کی سیڑھیاں بڑھالیتے ہیں۔ یا مسجد کے پاس ایک حجرہ تعمیر کر لیتے ہیں۔ تو اس سے نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اموی حکام نے دینی احکام کو بدل دیا۔ اور ان میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ منبر میں تبدیلی تو عہد رسالت ہی میں آگئی تھی۔ آپ ﷺ پہلے کھجور کے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے ایک منبر بنوالیا۔ جس کی تین سیڑھیاں تھیں[62]۔ اس لیے کہ لوگ مسجد میں زیادہ آنے لگے تھے۔ اور ضرورت کا تقاضا یہ تھا کہ اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جائے۔ تا کہ دور کے لوگ سن سکیں اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرورت کی بناء پر منبر کی سیڑھیاں بڑھائی تھیں تو شرعی لحاظ سے اس میں کیا قباحت ہے۔ مسجد کے قرب و جوار میں کمرہ تعمیر کرنے کا مقصد حفاظت کے پیش تھا ظاہر ہے کہ خوارج، حضرت علی و معاویہ اور عمرو بن العاص رضوان اللہ علیہم تینوں کو قتل کرنے کی سازش کر رہے تھے[63]۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ و اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بچ گئے۔ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصلحت اس میں دیکھی کہ لوگوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے کے بجائے مسجد سے متصل کمرہ میں نماز ادا کیا کریں[64]۔

جہاں تک جمعہ کے دوسرے خطبہ میں بیٹھنے کا تعلق ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا دانستہ نہیں کیا تھا بلکہ اس لیے کیا کہ جب آپ کا جسم بھاری ہو گیا تھا۔ اور آپ زیادہ دیر تک کھڑے ہونے سے معذور تھے۔

امام شعبی فرماتے ہیں:

"سب سے پہلے بیٹھ کر خطبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ یہ اس وقت ہوا جب آپ کا بدن بھاری ہو گیا۔ اور پیٹ بڑھ گیا تھا۔"[65]

علماء نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر تنقید کی تھی۔ اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیٹھ کر خطبہ دینے، مسجد کے پاس حجرہ بنانے اور منبر کی سیڑھیوں میں اضافہ کرنے کے بارے میں کسی حدیث سے استدلال نہیں کیا۔

باقی رہا گولڈ زہیر کا یہ دعوی کہ رجاء بن حیوۃ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے[66]

رجاء جیسے ثقہ حافظ حدیث کا جرم گولڈ زیہر کی نگاہ میں یہ ہے کہ وہ شام میں بود و باش رکھتے تھے۔ اور اموی خلفاء کے ساتھ ان کے مراسم تھے۔ نیز حضرت جابر بن سمرہ کا قول "جو شخص تمہیں یہ بتائے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے اس نے جھوٹ بولا"[67] اس میں کسی موضوع حدیث کی تردید نہیں کی گئی۔ بلکہ اس امر کا احتمال ہے کہ صحابہ کے ذہن میں بیٹھ کر خطبہ دینے کے جواز کا جو خیال آسکتا تھا۔ حضرت جابر نے اس کی تردید کی اور قطعی طور سے بیان کر دیا کہ یہ سنت کے منافی ہے۔

نماز عید سے قبل خطبہ دینے کا عذر مروان نے یہ بیان کیا تھا کہ اس نے مجبوراً ایسا کیا ہے۔ اگر لوگ پہلے نماز پڑھ لیتے تو وہ خطبہ سُننے کے لئے نہیں ٹھہرتے تھے۔ مروان نے یہ نہیں کہا کہ اس نے کسی حدیث کی بناء پر ایسا کیا یا اس کی تائید میں اپنے اتباع کو حدیث وضع کرنے کے لئے کہا تھا۔ اس کے باوجود صحابہ و تابعین نے اس پر شدید تنقید کی تھی[68]۔

یہودی مستشرق کا یہ دعویٰ کہ "بعض احادیث جن سے بنو امیہ کا مفاد وابستہ تھا، عہد عباسی میں غائب ہو گئی تھیں" سراسر بہتان ہے اب سوال یہ ہے کہ وہ احادیث کہاں پوشیدہ ہو گئیں؟ عباسی خلفاء نے ان کو کہاں چھپا دیا؟ کیا انہوں نے محدثین کو ان کی نقل و روایت سے روک دیا تھا؟ اور اگر بعض احادیث ایک خاص عہد میں چھپ گئیں تو دوسرے عہد میں کیسے معرض وجود میں آگئیں؟

البتہ کتب صحیحہ اور مسانید معتبرہ سے ان روایات کا غائب ہو جانا تو ممکن ہے مگر احادیث ان کے اصحاب ورواۃ اور مدونین سے بالکل ہی پوشیدہ رہ جائیں تو ایسا کبھی نہیں ہوا نہ ہی اس کی کوئی مثال موجود ہے۔

تاریخ اس بات کی شہادت نہیں دیتی کہ اموی خلافت نے اپنے کسی نظریہ کی تشہیر کے لئے احادیث وضع کی ہوں اور پھر اموی خلفاء کی وضع کردہ احادیث کہاں گئیں؟ ہمارے علماء ہر حدیث کو نقل کرتے وقت اس کی سند بھی بیان کر دیتے ہیں احادیث صحیحہ کی اسانید کتب حدیث میں محفوظ ہیں۔ ہزارہا احادیث میں سے کسی ایک حدیث کی سند میں بھی عبد الملک یا یزید یا ولید یا ان کے کسی عامل مثلاً حجاج، خالد بن عبد اللہ قسری یا کسی اور حاکم کا نام مذکور نہیں اگر ایسی احادیث موجود تھیں تو وہ تاریخ کے اوراق میں کہاں گم ہو گئیں۔ اور اگر اموی خلافت نے احادیث خود وضع نہیں کی تھیں بلکہ وضع کی دعوت دی تھی۔ تو اس کی دلیل کیا ہے؟"[69]۔

گولڈزیہر نے اپنے قول کی تائید وحمایت میں ایسے اقوال پیش کیے ہیں جن میں بعض علماء پر نقد وجرح کی گئی ہے۔ مثلاً محدث ابو عاصم النبیل فرماتے ہیں: '

"مارأیت الصالح یکذب فی شیئ أکثر من الحدیث "[70]

"میں نے کسی نیک آدمی کو اس قدر جھوٹ بولتے نہیں دیکھا جتنا جھوٹ وہ حدیث میں بولتے ہیں"۔

وکیع، زیاد بن عبد اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"انه مع شرفه فی الحدیث کان کذوباً"[71]

"وہ عزو شرف کے باوجود حدیث میں جھوٹ بولا کرتا تھا"۔

علماء کرام نے وضع حدیث اور وضاعین کے مقابلہ کے لئے جو جو مساعی جمیلہ انجام دی تھیں۔ ان جہود ومساعی کے مظاہر میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ راویوں پر سخت تنقید کی جاتی تھی۔ رواۃ حدیث کی درجہ بندی کر کے بعض کی مرویات کو قبول اور بعض کو رد اور بعض کے قبول کرنے میں توقف سے کام لیا جاتا تھا۔ علماء حدیث نے وضاعین کو چند گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ان میں ایک گروہ ان جاہل زاہدوں کا تھا جو جہالت کی وجہ سے احادیث گھڑ کر ان کو آنحضرت ﷺ کی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ہمیں اس پر اجر وثواب ملے گا، علماء نے ان کی حقیقت آشکار کر دی تھی۔ تاکہ لوگ ان کے زہد وتقویٰ کے دام فریب میں آکر دھوکہ نہ کھا جائیں۔ ابو عاصم النبیل کا مذکورہ قول اسی قبیل سے ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نیک خصلت ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ در حقیقت صالح تھے۔ جس طرح علماء ائمہ دین اور حفاظ حدیث ہوتے ہیں۔ اگر یہ معنی مراد نہ لئے جائیں تو اس سے لازم آئے گا کہ سعید بن المسیب، عروہ، شافعی، مالک، احمد، ابو حنیفہ، حسن بصری اور زہری حدیث کی نقل روایت میں اکذب الناس تھے۔ حالانکہ کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان کا مذکورہ قول مقدمہ صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ امام مسلم نے جہاں قبول احادیث میں احتیاط کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ جس راوی کی غلطیاں زیادہ ہوں۔ جس کا عقیدہ خراب ہو، غافل مزاج ہو۔ اس کی مرویات کے قبول کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئیے۔ وہاں یحییٰ کا قول بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد امام مسلم فرماتے ہیں:

"یعنی جھوٹ نیک لوگوں کی زبان پر جاری ہو جاتا تھا۔ اور وہ دانستہ اس کے مرتکب نہیں ہوتے تھے"[72]۔

کوئی مسلمان اس بات کی جسارت نہیں کر سکتا کہ صالحین سے حدیث کے ائمہ مراد لے۔ اور ان کو کاذب ٹھہرائے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امام بخاری، امام مسلم، امام احمد، امام اوزاعی اور امام زہری جیسے ائمہ حدیث صالحین کے زمرہ سے نکل جائیں گے۔

امام شعرانی رقمطراز ہیں:

"إنما قال بعض المحدثين أكذب الناس الصالحون لغلبة سلامة بواطنهم فيظنون بالناس الخير وأنهم لا يكذبون على رسول الله ﷺ فمرادهم بالصالحين المتعبدون الذين لا غوص لهم في علم البلاغة فلا يفرقون بين كلام النبوة وغيره"[73]

"میں نے اپنے استاذ شیخ الاسلام زکریا سے سنا فرماتے تھے۔ "بعض محدثین نے کہا ہے کہ صالحین سب لوگوں سے زیادہ جھوٹے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے باطن پر سلامت روی کا غلبہ ہوتا ہے۔ لہذا لوگوں کے بارے میں ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ رسول ﷺ پر جھوٹ نہیں باندھتے۔ صالحین سے ان کے نزدیک وہ عبادت گزار مراد ہیں جو علم بلاغت سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ اور نبی و غیر نبی کے کلام میں فرق و امتیاز نہیں کر سکتے۔ جب کہ دوسرے لوگ اس فرق سے آگاہ ہوتے ہیں"۔

مزید برآں گولڈزیہر نے وکیع کا جو قول زیاد بن عبد اللہ کے بارے میں نقل کیا ہے "وہ معزز ہونے کے باوجود احادیث میں دروغ گوئی سے کام لیا کرتے تھے" یہ گولڈزیہر کی تحریفات میں سے ایک ہے۔ امام بخاری کی تاریخ کبیر میں اصل عبارت یوں ہے:

"وقال ابن عقبة السدوس عن وكيع هو أشرف من أن يكذب[74]

"ابن عقبہ السدوسی وکیع سے نقل کرتے ہیں اس (زیاد بن عبد اللہ) کا مقام دروغ گوئی سے بلند تر ہے"۔

وکیع نے زیاد بن عبد اللہ سے متعلق ہر قسم کے جھوٹ کی نفی کی اور بتایا ہے کہ ان کا مقام دروغ گوئی سے بلند تر تھا۔ جبکہ گولڈزیہر نے اسی عبارت کو یوں تبدیل کر دیا کہ زیاد باعزت ہونے کے باوجود احادیث روایت کرنے میں دروغ گوئی سے کام لیا کرتے تھے۔ کیا مستشرقین کی علمی امانت یہی ہے؟[75]۔

غرضیکہ گولڈزیہر بنو امیہ کی تصویر اس انداز میں پیش کرتا ہے کہ وہ خالصتاً دنیادار لوگ تھے۔ ان کے سامنے صرف سامراجی عزائم تھے۔ بنو امیہ جاہل مطلق و اسلامی تعلیمات و آداب سے یکسر بیگانہ تھے۔ یہ تاریخی حقائق پر عظیم افتراء ہے یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ جن کتب تاریخ میں اموی دور کی عکاسی کی گئی ہے وہ تمام تر خلافت عباسیہ میں تصنیف کی گئی ہے۔ خلفاء بنو عباس کا عہد بنو امیہ کی عداوت سے بھرپور تھا۔ مؤرخ اور واقعہ نویس عباسی دور میں من مانی کاروائیاں کرتے رہے تھے۔ اس عہد کے مؤرخین نے بنو امیہ کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا تھا۔ اس نے اسلامی تاریخ میں ایک خطرناک کردار ادا کیا۔ جن کی حیثیت بے بنیاد واقعات سے زیادہ نہ تھی۔ یہ من گھڑت واقعات عباسیہ اور غالی شیعہ و روافض کے ساختہ پرداختہ تھے۔ لہٰذا بنو امیہ کے بارے میں نقد و تبصرہ کے بغیر کتب تاریخ و اخبار کے مندرجات کو تسلیم نہیں کرنا چاہیئے۔

اسلامی فتوحات کے سلسلہ میں بنو امیہ کا نام تاریخ اسلام میں ہمیشہ تابندہ و درخشندہ رہے گا۔ اموی خلفاء نے اسلامی حکومت کو جس قدر وسعت بخشی تھی۔ عباسی خلافت میں اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ اس کا سہرا اموی خلفاء کے سر ہے۔ جو اعلاء کلمۃ اللہ اور دین اسلام کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں بذات خود فوجوں میں شامل ہو کر اعداء دین سے لڑتے تھے۔ پھر ان سے عداوت کیوں رکھی

جائے۔ البتہ یہ درست ہے کہ اموی خلفاء خوارج اور علویہ کے سخت دشمن تھے۔ اور ان کے درمیان شدید عداوت پائی جاتی تھی۔ مگر خوارج اور علویہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حدیث نبوی کی تدوین اور اس کے نقد و نقل کے ضمن میں کوئی خدمت انجام نہیں دی۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ گولڈ زیہر کا قول بے بنیاد اور جھوٹ پر مبنی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] سیز کن، مقدمہ تاریخ تدوین حدیث، ص:۱۸۔

[2] محمد ابوزھو، الحدیث والمحدثون، ار الفکر العربی الطبعۃ: القاھرۃ فی 2 من جمادی الثانیہ 1378ھ-ص:۳۰۲۔

[3] Ignaz Goldziher, Muslim Studies,London, Allen and Unwin, 1971,p:2/7

[4] منیر بعلبکی، المورد، دار العلم للملایین، 1967، ص: ۸۴۷

[5] Abd-ul-Haq, Advanced 21st Century Dictionary: English into English and Urdu , Hardcover – November 15, 1999, p:668 .

[6] Goldzieher, Muslim studies, p:2/19

[7] انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا، انسائیکلوپیڈیا، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 1991 ص:۱۲/۲۰۹۔

[8] محمود حمدی، الاستشراق والخلیفۃ الفکریہ للصراع الحضاری، دار المعارف، ص:۱۲۳۔

[9] Arthor Jeffery, Islam ,Muhammad and his religion, New York, 1958 ,p.12

[10] گب، "اسلام مشمولہ "دی انسائیکلوپیڈیا آف لونگ فیتھ، ص:۱۷۱۔

[11] آل عمران:۳/۳۱، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُواأَعْمَالَكُمْ" (محمد:۴۷/۳۳) "اے ایمان والوں اللہ اور رسول اکی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو"۔ نیز قول باری تعالیٰ ہے۔"وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا(الحجرات:۴۹/۱۴)، "اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اکی اطاعت کروگے تو وہ تمہارے اعمال میں ذرا کمی نہیں کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے"۔ قول باری تعالیٰ ہے۔" قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ" (آل عمران: ۳/۳۲)، "کہہ دیجئے اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اگر تم نے منہ موڑا تو جان لو بیشک اللہ تعالے کافروں کو پسند نہیں کرتا ہے"۔

[12] جسٹس محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 1986 ص:۔۲۲۳۱

[13] الحشر:۵۹/۷۔

[14] الحجرات:۴۹/۱۔

[15] الطبری، جامع البیان، مکتبۃ ابن تیمیۃ تصویرا من نسخۃ دار المعارف الأصلیۃ، ص:۲/۹۷۔

[16] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار طیبہ، ص:۴/۲۱۵۔

[17] النحل:۱۶/۴۴۔

[18] آل عمران:۳/۸۱۔

[19] النساء:۴/۱۱۳۔

[20] الأحزاب:۳۳/۳۴۔

[21] الزبیدی، تاج العروس من جواھر القاموس، طبعۃ الکویت، ص:۷/۲۲۱۔

[22] جسٹس محمد کرم شاہ، سنت خیر الانام، مکتبہ القلم، ص:۵۶۔

[23] ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، حدیث نمبر ۴۶۰۴، ص:۶۵۱۔

24 فلپ کے ہٹی، اسلام اے وے آف لائف، ص: ۴۲۔

25 John. Bagot Glubb, The lifetime of Muhammad, p. 359

26 Maurice Bucaille, The Bible , The Quran and Science, p. 259

27 Maurice Bucaille, The Bible , The Quran and Science, p. 259

28 Goldzieher, Muslim Studies, p. 2/18

29 علی حسن، نظرۃ عامۃ فی تاریخ الفقہ السلامی، ص: ۱۲۶۔

30 السباعی، السنۃ و مکانتہا، ص: ۱۹۰۔

31 Goldzieher, Muslim Studies, p. 2/19 .H.A.R. Gibb and J.H. Kramers, Shorter, Encyclopedia of Islam, p: 116.

32 گولڈ زیہر، دراسات اسلامیہ، ص: ۲/۸۱۔

33 Will Durant, Aige of Faith, p. 211

34 Schacht, Introduction, p:34

35 Schacht, The Origins, P:140

36 Schacht, The Origins, P:140

37 عجاج الخطیب، السنۃ قبل التدوین، مکتبہ وھبہ، 1408ھ ص: ۲۵۔

38 المائدۃ: ۵/۳۔

39 السباعی، السنۃ و مکانتہا، المکتب الإسلامی، دمشق-سوریا، بیروت ص: ۱۹۶۔

40 Gold, Muslim Studies, p. 2/18

41 الذہبی، الأمصار، ط العلمیۃ، ص: ۱۷۔

42 ایضا، ص: ۱۴۔

43 النسائی، الضعفاء والمتروکین، ص: ۳۱۲۔

44 ایضا، ص: ۳۱۳۔

45 ایضا، ص: ۳۱۳، الذہبی، الامصار، ص: ۱۲۸۔

46 الذہبی، الامصار، ص: ۱۲۸، ایضا، ص: ۳۱۳۔

47 الذہبی، تاریخ الاسلام، دار المغنی للنشر والتوزیع، ص: ۵/۱۳۸۔

48 السنۃ و مکانتہا، ص: ۲۰۰۔

49 السخاوی، فتح المغیث، دار المناھج، 1426ھ ص: ۱/۲۳۵۔

50 السنۃ و مکانتہا، ص: ۲۰۰۔

51 "کسی دور میں وضع حدیث کو ثابت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس زمانہ کے فقہاء نے اپنی مباحث میں اس حدیث کو شامل کیا ہے یا نہیں اگر حدیث کا وجود ان فقہا کے مناقشات میں نہیں ہے تو پھر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ حدیث بعد کے دور میں وضع کی گئی"۔

52 Schacht, The Origins, p. 140

53 الشافعی، الأم، دار المعرفۃ-بیروت، ص: ۷/۲۸۷۔

54 Schacht, Origins, p. 140

55 الشافعی، الأم، ص: ۷/۲۸۷

56 الأعظمی، دراسات فی الحدیث، المکتب الإسلامي 1400، ص: ۲/۴۴۹۔

57 الاستشراق والخلیفۃ الفکریہ للصراع الحضاری، ص: ۱۲۴۔

58 البخاری، الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القران، حدیث نمبر ۴۹۸۶، ص: ۸۹۴۔

59 المالک، الموطا، کتاب الصلاۃ فی رمضان، حدیث نمبر ۴، ص: ۱/ ۴۳۔

60 البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجمعۃ، باب الأذان یوم الجمعۃ، حدیث نمبر ۹۱۲، ص: ۱۴۶۔

61 الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، دار الکتب العلمیۃ بیروت-لبنان، ص: ۱/ ۱۱۹۔

62 البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجمعۃ، باب الخطبۃ علی المنبر، حدیث نمبر ۹۱۸، ص: ۱۴۷۔

63 الدنیوری، الأخبار الطوال، دار إحیاء الکتب العربی، ص: ۲۲۰۔

64 ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، دار یعرب، ص: ۲۹۹۔

65 السیوطی، تاریخ الخلفاء، وزارۃ الأوقاف والشؤون الإسلامیۃ-قطر، ص، ۱۴۳۔

66 یہ رجاء جیسے محدث پر افتراء پردازی ہے یہ ممکن نہیں کہ رجاء ایسے زمانہ میں یہ بات کہتے جس میں صحابہ اپنی جان پر کھیل کر سنت کا تحفظ و دفاع کرتے تھے۔ حدیث کی کسی معتمد کتاب میں یہ روایت رجاء سے منقول نہیں ہے۔ یہ روایت "الف لیلہ" اور علامہ دمیری کی "حیاۃ الحیوان" میں ہے اس لئے کہ مستشرقین نے اکثر علمی مباحث میں ایسی کتب پر اعتماد کیا ہے۔ رجاء بن حیوۃ ائمہ حدیث کے نزدیک عظیم حافظ حدیث تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: "ابن سعد فرماتے ہیں۔ رجاء بہت بڑے حافظ، ثقہ اور کثیر العلم تھے۔ ابن عوْن کا قول ہے میں نے شام میں رجاء عراق میں ابن سیرین اور نہ حجاز میں قاسم جیسا شخص نہیں دیکھا۔ رجاء وہی شخص ہے جس نے سلیمان کو مشورہ دیا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنائیں"۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ص: ۱۰۷۔

67 مسلم، الصحیح، کتاب الجمعۃ، باب ذکر الخطبتین قبل الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۹۹۶، ص: ۳۴۶۔

68 صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ جب امیر معاویہ کے عامل مدینہ مراون نے نماز سے پہلے خطبہ دیا تو وہ اس پر معترض ہوئے۔ اور اس کا کپڑا پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ مروان نے اپنی طرف کھینچا۔ اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دینے لگا۔ ابو سعید خدری نے کہا۔ بخدا تم نے دینی احکام بدل ڈالا۔ مروان بولا، "ابو سعید" وہ پرانی باتیں جو تمہیں معلوم ہیں رخصت ہوئیں" ابو سعید نے کہا" خدا کی قسم جو باتیں مجھے معلوم ہیں وہ ان سے بہتر ہیں جو مجھے معلوم نہیں"۔ مروان نے کہا" اگر ہم نماز پہلے پڑھ لیتے تو لوگ خطبہ سُننے کے لئے ہرگز نہ بیٹھتے۔

69 السنۃ و مکانتہا، ص: ۲۰۳۔

70 الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ص: ۱/ ۳۳۳، یحیٰ بن سعید القطان سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے، مسلم، مقدمہ الصحیح، باب بیان أن السناد من الدین، حدیث نمبر ۴۰، ص: ۱۲۔

71 ابن العجمی، نہایۃ السوٴال، ص: ۳/ ۹۰۷۔

72 مقدمۃ، صحیح مسلم، باب بیان أن السناد من الدین، حدیث نمبر ۴۰، ص: ۱۲۔

73 القاسمی، قواعد التحدیث، دار العقیدہ، مصر، ط، 1 ص: ۱۴۷۔

74 البخاری، التاریخ الکبیر، ص: ۲/ ۳۲۹۔

75 السنۃ و مکانتہا، ص: ۲۳۰۔